نہیں جا سکتا۔ (ص ۱۷۱)

جب کہ تاریخ پاکستان کا ہر طالب علم یہ جانتا ہے کہ جناب محمد ایوب خان نے مارشل لاء کے زیرِ سایہ جس دستور کا نفاذ کیا تھا، اس میں کسی اسمبلی سے رائے لی گئی تھی اور نہ عوام کی رائے کو ہی اہمیّت دی گئی تھی۔ اُنھوں نے ۱۹۵۶ء کے دستور کے برعکس مملکت خداداد کو "جمہوریہ پاکستان" قرار دیا اور صدرِ پاکستان کے لیے مسلمان ہونے کی شرط حذف کر دی، مگر جب عوام کی رائے کو معمولی سی اہمیّت حاصل ہوئی تو ۱۹۶۲ء کے دستور میں ترمیم کرتے ہوئے مملکت کو دوبارہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کہا گیا اور صدر پاکستان کے لیے مسلمان ہونے کی شرط برقرار رکھی گئی۔ جہاں تک ۱۹۷۳ء کے دستور کا تعلق ہے، اُس وقت کے اور تاریخِ پاکستان کے (سب سے زیادہ سیکولر) حکمران ذوالفقار علی بھٹو نے کسی بزرجمہر کی ایسی رائے کو اہمیّت نہ دی جو مسلمانانِ پاکستان کی دینی اُمنگوں کے خلاف تھی۔ ۱۹۷۳ء کے دستور میں نہ صرف صدرِ پاکستان بلکہ وزیر اعظم کے لیے مسلمان ہونے کی شرط عائد کی گئی اور اس کے ساتھ مسلمان کی تعریف بھی شامل کر دی گئی، تاکہ کوئی بزعمِ خود "مسلمان" مسلمانانِ پاکستان کو دھوکہ نہ دے سکے۔

تبصرہ نگار کی رائے میں مسیحی - مسلم مکالمے سے دلچسپی رکھنے والوں کو جناب جیمز چنن کی کتاب کا جائزہ لینا چاہیے اور اس سوال پر غور کرنا چاہیے کہ کیا یہ افکار، جن کا مظہر زیرِ تبصرہ کتاب ہے، کسی حقیقی مسیحی - مسلم مکالمے میں کوئی مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں؟ اور غریب مسیحی برادری کے مسائل حل کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں؟ (مدیر)

---

# مراسلت

## محب الحق صاحبزادہ (اسلام آباد)

اس وقت اگست ۹۵ء کا شمارہ زیرِ نظر ہے۔ صفحہ ۲۴ پر "قانونِ توہینِ رسالت اور اُس کی محدودیت" (از ماہنامہ کلامِ حق) کے سلسلے میں ایک گذارش ہے۔ آپ کی تعارفی تشریح میں اسے "واعظانہ ترغیب و ترہیب" کا نام ملا۔ مسلمانوں کی عام بد عملی اور سرکشی کی کیفیّت پر ایسی گرفت کسی بھی حلقہ سے ہو، صحیح بھی ہے اور شکریے کے ساتھ قبولیّت کی مستحق بھی، لیکن تحریر کا مجموعی تاثر کچھ اور ملتا ہے۔ یہاں ایک غلط کاری کو دوسری غلط کاری کا جواز بنایا جا رہا ہے۔ "محدودیت" کی چوٹ میں بہ ظاہر جذباتی اپیل ہے، لیکن ایسے دلائل کو وزن ملے تو نتیجہ الٹا نکلے گا --- یعنی یا تو سب مسلمانوں کو (احکام رسول ﷺ سے روگردانی پر) توہینِ رسالت کے تحت سزا دو ورنہ ۲۹۵ - سی کو بھی ختم کر دو۔